نفسیاتی بھید تلاش کرتی ہوئی آواز۔۔۔ اختر الایمان

ڈاکٹر عنبرین منیر

Abstract:

Akhtar ul Iman's poetry simultaneously deals with the truths of the identity and the social realities.This is why at times his poems reflect the human emotions and at other times they portray the psychological conflict of a man residing in the modern age. Akhtar ul Iman's protagonists are aware of their crisis. However, they fail to defend themselves. This leads to a sense of isolation andsense of longing for the past.

اختر الایمان ایک ایسے شاعر ہیں جن کا شعری مسلک ترقی پسندی اور حلقہ اربابِ ذوق کے بین بین تھا۔ وہ انفرادی ذات کی سچائیوں اور معاشرتی حقائق دونوں کو ایک ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں کہیں جذبات کی شدت اور تنہائی کا درد اُبھرتا ہے اور کہیں جدید صنعتی دور کے نفسیاتی و ذہنی اُلجھاؤ۔ اختر الایمان کی نظمیں ترقی پسند اور حلقہ ارباب ذوق کے درمیان تیسرا زاویہ قایم کرتی ہیں۔

اختر نے اپنی تمام زندگی محنت، جدوجہد اور حالات سے لڑتے گزار دی۔ ایک چھوٹی سی بستی میں ایک امام مسجد کے گھر پیدا ہونے والے اختر الایمان نے علم کے حصول کے اور معاشرے میں باعزت مقام کے لیے کم عمری سے ہی غیر یقینی حالات کا سامنا تھا۔ بلال سہیل لکھتے ہیں:

> ''اختر الایمان کی شخصیت کے مطالعے کے لیے وہ غیر یقینی اور غیر محفوظ ماحول معنی خیز اہمیت اختیار کر جاتا ہے جس میں اُن کا بچپن گزرا۔ والدہ سے دُوری بہن بھائیوں سے دُوری، یتیم خانوں اور غیر محفوظ ٹھکانوں کی قباحتیں، تنگ دستی اور محتاجی، پھر سخت گیر والد کا خوف، کسی بھی کم سن بچے کے لیے ایسے فضا میں احساسِ محرومی کا شکار ہو جانا معمول کی بات ہے تنہائی اور عدم تحفظ نے اختر الایمان کے احساسِ محرومی کو اور زیادہ نمایاں کیا ہے۔ اُن کی شخصیت کے اس پہلو کا کسی قدر اظہار ابتدائی شاعری میں بھی ہوا ہے۔ جس پر بعض ناقدین نے اسے قنوطیت سے تعبیر کیا اور بعض کو اس میں خون کی دھارا نظر آئی۔''(۱)

اختر انبوہ میں گم ہو جانے سے خائف ہیں لیکن تنہا رہنے پر آمادہ بھی نہیں۔ نتیجتاً جس دوراہے پر وہ کھڑے ہیں اُس سے صحیح سمت کا تعین آسان نہیں۔ اختر الایمان کی کامیابی یہی ہے کہ وہ تقلید سے بھی بچے رہے اور ذاتی اظہاری طریقوں سے ابہام کے دُھندلکوں میں بھی نہیں کھوئے۔ اگرچہ اختر الایمان نے اپنی شاعری کا آغاز تقسیم ہند سے پہلے کر دیا تھا اور میراجی کے قریبی دوست ہونے کی بنا پر نظم گوئی سے گہرا شغف رہا لیکن اُن کی انفرادیت ۱۹۴۷ء کے بعد سامنے آئی۔ اختر الایمان کی شاعری میں زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں سے پیدا ہونے والی داخلی کش مکش اور اجتماعی افراتفری کی عکاسی ہے جس نے انسان کو تنہا کر دیا ہے۔ عقیل احمد صدیقی مزید لکھتے ہیں:

> ''اقدار کی یہ تبدیلی اختر الایمان کی نظموں میں ماضی اور حال، قدیم اور جدید اور فرد کے مطالعے میں بچپن کی معصومیت اور بلوغت نے کاروباری ذہن کے درمیان تصادم کی صورت میں سامنے آتی ہے وہ اس کش مکش میں ماضی کی قدروں کے ساتھ دکھائی پڑتے ہیں یعنی وہ ان مٹتی ہوئی قدروں کو کرب کے ساتھ دیکھتے اور بیان کرتے ہیں لیکن ایک ایسے شخص کی طرح جو اس تبدیلی کا مجبور تماشائی یا شکار تو ہوسکتا ہے لیکن اس کے اندر دفاع کرنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے۔ اس کربناک احساس سے اختر الایمان کی ذہنی اور جذباتی ''تنہائی'' شروع ہوتی ہے جس کا نتیجہ زمانۂ حال سے عناد اور بیزاری کی شکل میں سامنے آتا ہے۔''(۲)

تنہائی دردو الم اور شاعر کا ساتھ بہت پرانا ہے۔ سوال یہ ہے کہ درد کی کیفیات سے گزرنے کے بعد ہر شاعر اپنی الگ پہچان کیسے بناتا ہے اور وہ کون سے نفسیاتی عوامل ہیں جس کے باوصف وہ اپنے موضوعات شعری کردار، شعری اظہار اور شعری پرسونا یا نقاب اختیار کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر وزیر آغا کا مضمون ''اختر الایمان مراجعت کی ایک مثال'' خاصا اہم ہے۔ اپنے اس مضمون میں وزیر آغا کا خیال ہے کہ کائنات اور انسانی زندگی میں مظاہر کی دو سطحیں مدِمقابل نظر آتی ہیں۔ پہلی سطح تصادم اور انتشار کی ہے جس پر عام طور پر انسان زندہ رہتے ہیں۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی صعوبتوں اور مسرتوں میں اُلجھتے رہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک نفسیات کی اصطلاح میں اس سطح کو (Trivial) کا نام دیا گیا ہے۔ دوسری سطح اس انتشار طرزِ حیات کے نیچے لامحدود چپ اور سمندر کی تہہ کی طرح تاریک ہے۔ یہاں انسان کا نسلی ورثہ رُوحانی سرمایہ اور ابدی قدروں کا خزانہ موجود ہے۔ اس سطح کو (Tragic Plane) کہا جاتا ہے۔ عام طور پر انسان بالائی سطح پر زندگی بسر کرتا ہے اور زیریں سطح سے متعارف نہیں ہوتا۔ البتہ کبھی کبھی اچانک سخت علالت، محبت میں ناکامی، موت کے تجربے سے قربت اور حادثے اور تنہائی کے باعث فرد اپنی ذات کے اندر کی دوسری سطح تک پہنچ کر اپنی انتشاری کیفیت کو سکون سے آشنا کر پاتا ہے اور دونوں سطحوں کے میلاپ سے فن فلسفہ اور ادبی ترفع حاصل ہوسکتا ہے۔ چناں چہ ذات کی غواصی کا جو تصوّر جدید نظم میں جاری و ساری ہے وہ رحمِ مادر سے طوفانِ نوح شکم ماہی اور سیر دشت اور بیدار ہو کر غار سے باہر نکلنے کا عمل ہے۔ وزیر آغا لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔اختر الایمان کی نظموں میں غار کے دہانے تک پہنچنے کا عمل تو بالکل واضح ہے اور اس نے کہیں کہیں غار کی پہنائیوں کو مس بھی کیا ہے لیکن چوں کہ اس نے خود کو اس کی پہنائیوں میں

پوری طرح گم نہیں کیا، اس لیے وہ تنہائی، غم اور خودفراموشی کی اس سطح سے بیدار ہوا ہے تو اس نے ایک بلند سطح پر اپنی رُوح کا اظہار کرنے کے بجائے زندگی کی پہلی سطح Trivial Plane کی طرف مراجعت کی ہے۔ اختر الایمان کی نظموں کے سلسلے میں یہی وہ بنیادی اور مرکزی نکتہ ہے جس پر غور کیے بغیر شاعر کی رُوح اور اس رُوح کی کش مکش کو سمجھنا ناممکن ہے۔''(۳)

گویا اختر الایمان کی نظموں میں مراجعت تو ہے مگر قدیم روایات کی جانب نہیں بل کہ جدید حسیت کی جانب جس میں آدمی جنگوں، جدید ایجادات کی زائیدہ بے اطمینانیوں اور عقائد کی شکست و ریخت سے پیدا بے یقینیوں سے نبرد آزما ہے اس عمل میں تصادم اور کش مکش کی سولی ہر ذی حس کا انتظار کر رہی ہے شاعر بھی اسی ماحول کا حصہ ہے۔ اختر الایمان لکھتے ہیں:

''دراصل معاملہ بڑا اُلجھا ہوا ہے۔ سب ایک ٹیڑھی لکیر ہے جہاں اپنے تجربات کی روشنی میں انسان اپنی ذات کو مرتب کرتا ہے، وہاں ساتھ ساتھ وہ تصورات اور خیالات بھی کام کرتے ہیں جو اسے ورثے میں ملے تصورات اور خیالات ہی نہیں توہمات بھی۔''(۴)

کربِ تنہائی اختر الایمان کی ابتدائی نظموں میں برقی رو کی طرح دوڑتا ہے جس سے شاعر کی نفسی کیفیات اُس کے دور کے حساس ذہنوں کی وارداتِ قلبی اور نفسیاتی کش مکش کی عکاس بن جاتی ہیں۔ وزیر آغا لکھتے ہیں:

''پہلے مجموعے کا نام ہے ''گرداب'' گرداب ایک عجیب سی نفسی کیفیت کو پیش کرتا ہے۔ گویا شاعر 'مجنوں'' کی آنکھ میں قید ہے اور زندگی اور موت روشنی اور تاریکی اور تحریکِ اور انجماد کے درمیان کہیں معلق ہو کر رہ گیا ہے۔ دوسرے مجموعے کا نام ہے تاریک سیارہ''۔تاریک سیارہ اسی کشمکش اور تصادم کو جو پہلی رُوح کی پہنائیوں میں اُبھرا تھا۔ ذہن کی سطح پر لانے میں کامیاب ہوا ہے۔ اس طور کہ شاعر آسمانی رفعتوں میں اپنی پرواز کو منقطع کر کے زمینی مظاہر کی طرف پلٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تاریک سیارہ میں دو آوازیں اُبھرتی ہیں اور شاعر ان میں سے ایک کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیتا ہے اور اس کے احساسات و جذبات کا وہ تموّج جو ''گرداب'' میں عروج پر پہنچا تھا۔ آہستہ خرام ہو کر ایک آبجو میں تبدیل ہو جاتا ہے۔''(۵)

نظم وداع محرومی اور پگڈنڈی اسی داخلی اُلجھن کی غماز ہیں۔ تنہائی اکثر انتشار، بے اطمینانی، تصادم اور تذبذب کی اُلجھن کی عطا ہوتی ہے جس کو عام طور پر دو اندازِ زیست سے گزارا جاتا ہے۔ ایک مقابلہ جہاد اور طرزِ نو کی خواہش جب کہ دوسرا طریقہ ماضی سے محبت اور ماضی میں پناہ حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔ اختر الایمان کی شاعری میں دوسرا طرزِ فکر زیادہ غالب ہے جس کی وجہ سے اُن کے دیگر نقاد اُن کی شاعری میں مراجعت کی ایک کیفیت ناسٹلجیا کے اثرات کا ذِکر کرتے ہیں۔ جس میں انسان حال کے حالات سے بیزار ہو کر ماضی کی طرف دیکھتا ہے۔اس سلسلے میں اُن کی نظم ''ایک لڑکا''، جس میں بچے کی معصومیت کو آدرشی کہا گیا ہے، اور ''بازآمد'' اور''

خصوصاً نظم ''یادیں'' اس شعری رویے کی تخلیق ہے:

''لو وہ چاہِ شب سے نکلا پچھلے پہر پیلا مہتاب
ذہن نے کھولی رُکتے رُکتے ماضی کی پارینہ کتاب
یادوں کے بے معنی دفتر، خوابوں کے افسردہ شہاب

شہرِ تمنّا کے مرکز میں، لگا ہوا ہے میلا سا
کھیل کھلونوں کا ہر سو ہے اک رنگین گلزار کھلا
وہ اِک بالک جس کو گھر سے اِک درہم بھی نہیں مِلا

وہ بالک ہے آج بھی حیراں میلا جوں کا توں ہے لگا
حیراں ہے بازار میں چپ چپ کیا کیا بکتا ہے سودا''

یادیں

لیکن اختر الایمان اس یاد آفرینی سے خوش نہیں وہ جدید معنی مادہ پرست دُنیا میں قدروں کی پائمال سے بیزار ہوکر ماضی میں مجبوراً پناہ لیتے ہیں کیوں کہ یہی گوشہ عافیت ہے جس کو عقیل احمد صدیقی تغیر نا آشنا زندگی کا ناسٹلجیا کہتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اختر الایمان کا پورا تصوّر رومانی ہے اور ایک طرح سے موجودہ زندگی کی تلخیوں کے لیے پناہ گاہ بھی۔ اختر الایمان حقیقت سے فرار کر کے بچپن اور اقدار میں پناہ لیتے ہیں یہ دونوں رویے زمانی فرار کی مثالیں ہیں لیکن اختر الایمان نے ''مقام میں فرار'' (Escape in Place) بھی کیا ہے۔ مثلاً ''ایک لڑکا'' میں بچپن کی یاد صرف گزرے وقت کی یاد نہیں بل کہ اس بستی اور گاؤں کی بھی یاد ہے جس سے کبھی وہ بچہ جدا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ نظم ''بازآمد'' میں بھی بستی کی معلوم اور بظاہر ٹھہری ہوئی تغیر نا آشنا زندگی کا ''ناسٹلجیا'' موجود ہے۔ یہ فرار شہری زندگی کی صعوبتوں کا مرہم بھی ہے اور اپنی شعری اَنا کی حفاظت بھی لیکن بازآمد میں ایک دوسری صورت بھی ملتی ہے جو ان کی کسی اور نظم میں غالباً نہیں پائی جاتی وہ ہے کہ اس نظم کا انجام المیاتی نہیں بل کہ زندگی کے تضاد اور کش مکش کو قبول کرنے کے رجحان پر نظم ختم ہوتی ہے جو یونانی ٹریجڈی کی طرح کتھارسس (تزکیۂ نفس) پیدا کرتی ہے۔''(۶)

گویا اختر الایمان ماضی سے توانائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دور کی زندگی میں جدوجہد کی اہمیت سے آگاہ ہیں۔ نظم ''یادیں'' کا اختتام بھی اسی حقیقت کا غماز ہے:

''نیند سے اب بھی دُور ہیں آنکھیں گو کہ رہیں شب بھر بے خواب

یادوں کے بے معنی دفتر خوابوں کے افسردہ شہاب
سب کے سب خاموش زباں سے کہتے ہیں اے خانہ خراب
گزری بات صدی یا پل ہو گزری بات ہے نقش بر آب
مستقبل کی سوچ، اُٹھا یہ ماضی کی پارینہ کتاب
منزل ہے یہ ہوش و خبر کی اس آباد خرابے میں
دیکھو ہم نے کیسے بسر کی اس آباد خرابے میں''

یادیں

نظم ''واپسی'' میں ماضی کی بازگشت کے باوجود سورج کی تلاش کی خواہش باقی ہے۔ وہ مراجعت سے مطمئن نہیں ہیں:

''ماضی کے محل کی کہنہ دیوار
پھیلائے ہوئے زمیں ہے آغوش
تاریکی میں ڈھونڈتا ہوں راہیں
سورج کو ترس گئیں نگاہیں''

واپسی

ماضی کی جانب سفر کی رُوداد بیان کرنے کے لیے اختر الایمان کی نظموں میں فلیش بیک کا فنی طریقِ کار خاصا نمایاں ہے جو اُن کی نظموں میں شعور کی رو کے تجربات کو وسعت بخشتا ہے:

''پھر ایک بار تصور کے رنگ محلوں میں
ہجومِ شوق ہوا ، شور ناؤ نوش ہوا
دِیئے جلائے گئے ، راستوں میں پھول بچھے
حیاتِ رفتہ کا افسانہ بار گوش ہوا''

ریت کے محل

نظم ''باز آمد ایک منتاج'' میں شاعر ماضی اور حال کے واقعات میں سفر کرتا ہے۔ نظم کی کہانی گزرے ہوئے کل سے شروع ہو کر آج پر ختم ہوتی ہے۔

اختر الایمان کی تخلیقی کاوشوں میں اُن کے ذاتی نفسیاتی پہلو کے ساتھ اُن کے تخلیق کردہ کرداروں کے نفسیاتی عناصر بھی مطالعہ طلب ہو سکتے ہیں۔ اکثر نقادوں کے نزدیک اُن کی نظموں کے مرکزی کردار اور علامتیں اُن کے دور کی دیگر اقدار اور روایات کی مانند شکست و ریخت کا شکار ہیں یا ماضی کی فضا میں سانس لیتے ہیں۔ اختر الایمان کی کرداری نظموں کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل احمد خاں لکھتے ہیں:

''اب ذرا دیکھیے کہ اختر الایمان کے ہاں نظم کس کس انداز سے تعمیر ہوتی ہے۔ ڈرامائی انداز،

خود کلامی، مکالمہ، کردار، افسانہ (میر ناصر حسین، ایک لڑکا، ڈاسنہ سٹیشن کا مسافر، کالے سفید پروں والا پرندہ)، اور طنزیہ رنگ، تلخی (میرا نام) علامیہ یعنی رمزی انداز (مسجد قلوپطرہ وغیرہ) مختصر نظمیں، رومانیت، کہیں جذباتیت مگر اس کے پار جانے کی ہمت، پھر فلمی ہیئت مثلاً مونتاژ (باز دید) یاری میک (نشاۃ الثانیہ)''(۷)

اختر الایمان کی نظموں میں نفسیاتی ژرف نظری کو سمجھنے کے لیے اُن کی تمثیلی نظموں کی طویل فہرست میں چند نظموں کا ذِکر ناگزیر ہے۔ نظم ''ایک لڑکا'' اختر الایمان کے اُس طرزِ اظہار کی نمائندہ نظم ہے جس میں جدید دور کے صنعتی ترقی اور اقدار کی شکست و ریخت اور اندر کی گھٹن نے انھیں بچپن کے کردار کی جانب مراجعت پر مجبور کیا ہے وہ دور جب ہر جانب فطرت کے رنگ بکھرے تھے فطرت سے محبت اپنی جگہ رحمِ مادر کی جانب واپسی کا سفر ہے:

دیارِ شرق کی آبادیوں کے اُونچے ٹیلوں پر
کبھی آموں کے باغوں میں کبھی کھیتوں کی مینڈوں پر
کبھی جھیلوں کے پانی میں کبھی بستی کی گلیوں میں
کبھی کچھ نیم عریاں کم سنوں کی رنگ رلیوں میں

مرا ہمزاد ہے ، ہر گام پر ، ہر موڑ پر جولاں
اسے ہمراہ پاتا ہوں ، یہ سائے کی طرح میرا
تعاقب کر رہا ہے ، جیسے میں مفرور ملزم ہوں
یہ مجھ سے پوچھتا ہے اختر الایمان تم ہی ہو؟''

ایک لڑکا

اس بچے کی معصومیت کو پیچھے چھوڑ آنے کے باوجود شاعر اس سے الگ نہیں ہو پایا۔ وہ اپنے صنعتی سرمایہ دارانہ دور کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''معیشت دوسروں کے ہاتھ میں ہے میرے قبضہ میں
جز اک ذہن رسا کچھ بھی نہیں پھر بھی مگر مجھ کو
خروشِ عمر کے اتمام تک اِک بار اُٹھانا ہے
عناصر منتشر ہو جانے نبضیں ڈوب جانے تک
نوائے صبح ہو یا نالۂ شب کچھ بھی گانا ہے
ظفرمندوں کے آگے رزق کی تحصیل کے خاطر
کبھی اپنا ہی نغمہ ان کا کہہ کر مسکرانا ہے''

ایک لڑکا

شاعر کا ضمیر بار بار لڑکے کی شکل میں آ دھمکتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا تم وہ اختر الایمان ہو؟ اور یوں فرد کی داخلی ذات کا سماجی ذات سے مکالمہ دونوں کے دُکھ گھٹن اور نفسیات کے عکاس ہے۔عقیل احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''وہ اس بالک سے وہی باتیں کہلواتے ہیں جو اُن کا بالغ ذہن سوچتا ہے اسے وہ سچ مچ آزاد اور حیران نہیں چھوڑتے یہ کمی ان کی نظم لڑکا اور یادیں کو بھی منصوبہ بند شاعری میں بدل دیتی ہے۔ اس کے باوجود یہ اختر الایمان کا کارنامہ ہے کہ انھوں نے پہلی بار شعری شخصیت اور سماجی شخصیت کے بیان میں فرق پیدا کیا ہے جسے انھوں نے جابجا ٹوٹے ہوئے آدمی کا نام دیا ہے۔''(۸)

فرد کے اندر جو مکالمہ ہمیشہ غلط اور صحیح کے لیے چلتا رہتا ہے یہاں اختر اُس کو پورے تاثرات کے ساتھ قلمبند کرتے ہیں۔

''یہ لڑکا پوچھتا ہے جب تو میں جھلا کے کہتا ہوں
وہ آشفتہ مزاج، اندوہ پرور، اضطراب آسا
جسے تم پوچھتے رہتے ہو کب کا مر چکا ظالم
اسے خود اپنے ہاتھوں سے کفن دے کر فریبوں کا
اسی کی آرزوؤں کی لحد میں پھینک آیا ہوں!
میں اس لڑکے سے کہتا ہوں، وہ شعلہ مر چکا جس نے
کبھی چاہا تھا اِک خاشاکِ عالم پھونک ڈالے گا
یہ لڑکا مسکراتا ہے، یہ آہستہ سے کہتا ہے،
یہ کذب وافترا ہے، جھوٹ ہے دیکھو میں زندہ ہوں!''

ایک لڑکا

یہاں یہ لڑکا انفرادی ضمیر سے ضمیرِ انسانیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اختر الایمان خود لکھتے ہیں:

''وہ لڑکا جس کی تصویر کبھی میرے ذہن میں تھی اس کا نام اختر الایمان ہے۔ ۔۔۔ مجھے اس لڑکے سے ہمدردی ہوگئی۔ یہ ہمدردی دراصل مجھے اپنے سے تھی مگر چوں کہ میں نے اپنے کو اس لڑکے سے الگ کر لیا تھا اس لیے میری شخصیت دب گئی۔ اس لڑکے کی شخصیت اُبھر آئی۔ تخلیقی عمل کی چوتھی منزل یہ تھی میں نے غیر شعوری طور پر اس لڑکے کو اپنا ہیرو بنا لیا۔ مجھے اس لڑکے کے دُکھوں اور پریشانیوں سے محبت ہوگئی مجھے یہ بھی معلوم تھا وہ میرا موضوع ہے۔ میں نے اس لڑکے کی شخصیت کو روشن کرنا چاہا اور ایک لڑکا ضمیرِ انسانیت کا علامیہ بن گیا۔''(۹)

اختر الایمان کی آخری دور کی نظم ''اپاہج گاڑی کا آدمی''جس کا تعلق اُن کے آخری شعری مجموعہ ''زمین زمین'' سے ہے علامت سازی اور کردارنگای کی عمدہ مثال ہے، جس میں زندگی کے متعلق شاعر اپنے پیچ در پیچ

نظریات، تجربات اور احساسات قلمبند کرتا ہے۔ اس نظم کے مرکزی کردار کو جدید انسانوں میں دِل آزاری کی بڑھتی ہوئی خواہش کا ترجمان ہے جو اختر الایمان کے نزدیک ایک ذہنی بیماری ہے جس کے سبب اس کی شخصیت بٹ گئی۔ وہ دیباچہ ''زمین زمین'' میں اسکیز وفرینیا کا مریض قرار دیتے ہیں۔

اسکیز وفرینیا رشیزوفرینیا دراصل ایک ذہنی مرض ہے جس میں انسان کا تعلق حقیقت سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اُس کی بولنے اور ادراک کی صلاحیت مجروح ہوتی ہے اور مریض فریب تصور(Hallucination) کا شکار ہو جاتا ہے اُسے وہ دکھائی دینے لگتا ہے جو موجود ہی نہیں ہے۔''ایک لڑکا'' کا مرکزی کردار کی طرح اس نظم کا مرکزی کردار بھی جب آدرشی زندگی گزارنے کا عزم لے کر عملی دُنیا میں قدم رکھتا ہے تو اپنے عقائد اور آدرشوں اور قدروں کے برعکس حالات کے ساتھ سمجھوتا اُسے اندر سے متزلزل کر دیتا ہے۔ مسلسل دباؤ اور خارجی اور باطنی تقاضوں کا تصادم اُس کی شخصیت کو دوحصوں دو یکساں آوازوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور وہ کوئی فیصلہ بھی اعتماد سے نہیں کر سکتا۔ محمد آصف زہری لکھتے ہیں:

''مرا دِل خدا کی رضا ڈھونڈتا پھر رہا ہے
مرا جسم لذات کی جستجو میں لگا ہے''

یہ ایسا تضاد ہے جس کی وجہ سے کردار ایک کش مکش (نفسیات کی اصطلاح میں Approach (Approach Confilect میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ قوتِ فیصلہ کی کمی کی وجہ سے پیدا ہونے والی اس کشمکش کے نتیجے میں جہاں نفسیاتی اُلجھنیں جنم لیتی ہیں وہیں گہری افسردگی اس کا مقدر بنتی ہے۔ اسے اپنی زندگی کی بے مائیگی کا احساس ہوتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ اتفاقی طور پر وہ خودرو پودے کے مانند زمین پر اُگ آیا ہے جس کے وجود کا کوئی منطقی جواز نہیں ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بل کہ اس conflict نے چند نہایت قوی تصورات پر بھی سوالیہ نشان قایم کر دیے۔''(۱۰)

موت، شکست و ریخت اور ذہنی تصادم اور اُلجھنوں کے اثرات اختر الایمان کی تمثیلوں کے ساتھ امیجری پر باآسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اختر الایمان کی اکثر نظمیں مثلاً مسجد، ریت کے محل، شکست اور پرانی فصیل تنہائی میں، خوابِ آخرِ شب میں بننے والی تصویریں، زندگی اور انسانی قدروں کو ریزہ ریزہ دکھاتی ہیں:

''ایک ویران سی مسجد کا شکستہ سا کلس
پاس بہتی ہوئی ندی کو تکا کرتا ہے
اور ٹوٹی ہوئی دیوار پہ چنڈول کبھی
گیت پھیکا سا کوئی چھیڑ دیا کرتا ہے
گرد آلود چراغوں کو ہوا کے جھونکے
روز مٹی کی نئی تہہ میں دبا جاتے ہیں
اور جاتے ہوئے سورج کے دواعی انفاس

روشنی آ کے دریچوں کی بجھا جاتے ہیں
یا ابابیل کوئی آمد سرما کے قریب
اس کو مسکن کے لیے ڈھونڈ لیا کرتی ہے
اور محراب شکستہ میں سمٹ کر پہروں
داستاں سرد ممالک کی کہا کرتی ہے''

(مسجد)

اس نوعیت کی امیجری کی پیش کش کی بنا پر اختر الایمان پر قنوطیت کا الزام بھی لگایا جاتا ہے مگر یہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ اختر کبھی کبھی یاسیت کے اندھیرے سے اُمید کی صبح کے پھوٹنے کا خواب بھی دیکھتے ہیں اور وہ عمل اور کشمکش حیات سے مسحور ہونے لگتے ہیں۔ نظم ''نئی صبح'' وداع، زندگی کے دروازے پر، اور پگڈنڈی میں حوصلہ ارادہ اور بہتر مستقبل کی اُمید اُبھرتی ہے:

''پھر مرا خوں مچلتا ہے ارادے بن کر
پھر کوئی منزلِ دُشوار بلاتی ہے مجھے''

(وداع)

''زندگی اپنے دریچوں میں ہے مشتاق ابھی
کیا خبر توڑ ہی دے بڑھ کے کوئی قفل جمود''

(زندگی کے دروازے پر)

اختر الایمان کی شاعری کے شعری پیکروں اور کرداروں میں اجتماعی نفسیاتی کے رنگ بھی خاصے گہرے ہیں۔ اختر الایمان جدید صنعتی اور اقتصادی قدروں پر مبنی دُنیا میں مادہ پرستی سے اُبھرنے والے جذبات اور گھٹن، احساسِ محرومی اور انسان کی کم مائیگی اور منطقی جواز کی کمی کے کرب سے آشنا ہیں اور اپنے قاری کو بھی اس اجتماعی کرب سے متعارف کراتے ہیں۔ نظم شیشے کا آدمی 'تبدیلی'' اور نیا شہر میں نئے حالات کی اجتماعی صورتیں سامنے آتی ہے:

''جب نئے شہر میں جاتا ہوں، وہاں کے در و بام
لوگ وارفتہ ، سراسیمہ ، دُکانیں ، بازار
بت نئے راہنماؤں کے پرانے معبد
حزن آلود شفاخانے مریضوں کی قطار
تار گھر ریل کے پل ، بجلی کے کھمبے، تھیئٹر
راہ میں دونوں طرف نیم برہنہ اشجار

اشتہار ایسی دواؤں کے ہر اک جا چسپاں
اچھے ہو جاتے ہیں ہر طرح کے جن سے بیمار''

(نیا شہر)

اپنے شعری مجموعے بنت لمحات کے پیش لفظ میں اختر الایمان لکھتے ہیں:

''اس کا سماجی پہلو یہ ہے کہ پورا معاشرہ ایک نیلام گھر معلوم ہوتا ہے۔ غلاموں اور بردہ فروشوں کا بازار دکھائی دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بولی لگ رہی ہے۔ ایمان بک رہے ہیں جس کا جی چاہے خرید لے۔۔۔ اس بات کا ایک پہلو معاشی بھی ہے۔ بقول باقر مہدی، ہماری نئی شاعری بڑی شہروں کی شاعری ہے۔۔۔ جہاں بسوں موٹروں برقی ریلوں کی اتنی ریل پیل ہے۔۔۔ جہاں ریلوں، کارخانوں، فیکٹریوں اور ڈیزل سے چلنے والے انجنوں سے نکلی ہوتی گیس اور دھوئیں سے بھری فضا میں سانس لینا پڑتا ہے۔۔۔ برقی ریلوں کے پلیٹ فارم پر انسانوں کی بھیڑ ایسی دکھائی دیتی ہے جیسے کوئی ٹڈی دل ہے، چیونٹیوں کی فوج ہے جو دانہ کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔''(۱۱)

وعالمی جنگوں میں انسانیت اور انسانی اقدار کا جو گلہ گھونٹا گیا ہے اُس کے اثرات انسانی نفسیات میں وہم، پاگل پن اور خوف، ثبت کر گئے ہیں ۔نظم نراج اور سبزہ بیگانہ، کوزہ گر، بندہ بیگانہ میں اختر الایمان ایک ایسے مریض کی داستان بیان کرتے ہیں جس کی ہذیانی کیفیت اُسے چیخنے پر مجبور کرتی ہے۔ جہاں انفرادی اور اجتماعی مسائل ضم ہو جاتے ہیں:

''مقامی چھوٹے سے خیراتی اسپتال میں وہ
کہیں سے لایا گیا تھا وہاں یہ ہے مرقوم
مریض راتوں کو چلاتا ہے ، مرے اندر
اسیر زخمی پرندہ ہے اِک نکالو اسے،
گلو گرفتہ ہے یہ حبسِ دَم ہے خائف ہے
ستم رسیدہ ہے مظلوم ہے بچا لو اسے
مریض چیختا ہے درد سے کراہتا ہے
یہ ویت نام، کبھی ڈومنیکن، کبھی کشمیر
زرِ کثیر، سیہ قومیں ، خام معدنیات
کثیف تیل کے چشمے ، عوام ، استحصال
زمیں کی موت ، بہائم ، فضائی جنگ، ستم''

(سبزۂ بیگانہ)

اختر الایمان انسان کی انفرادی اور اجتماعی نفسیات اور اُس کے مادی دُنیا سے وابستہ ذہنی مسائل کے جو مرقع پیش کرتے ہیں۔ اُس میں ایک دھیمہ کرب مسلسل جاری ہے۔ یہی داخلیت اور خارجیت، انفرادیت اور اجتماعیت کی عکاسی انھیں اپنے دور انسان کا نبض شناس بناتی ہے۔ عقیل احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''وقت کی جبریت اور اس کے ناگزیر تاریخی عمل کو اختر الایمان نے نہ صرف یہ کہ پرانی قدروں کے زوال کی صورت میں دیکھا ہے بل کہ ''جدید عہد'' کے جدید مطالبات کی صورت میں بھی دیکھا اور محسوس کیا ہے۔ اختر الایمان کے نزدیک جدید عہد مادی اقدار کی بالادستی کا عہد ہے جس میں ماضی کی لازوال تہذیبی قدریں شکست کھا چکی ہیں۔ مادی اقدار نے زندگی اور اس کے روابط کو یکسر بدل دیا ہے۔ اختر الایمان اس تبدیلی کو کرب کے احساس کے ساتھ دیکھتے ہیں۔'' (۱۲)

اختر الایمان کی نظموں کے اکثر کردار ہوس اور احساسِ جرم یا تصادم کے دباؤ سے ثنویت یا دُہری شخصیت کا شکار ہیں۔

انھوں نے چہرے پر نقاب پہن لیے ہیں جیسا کہ ژونگ کہتا ہے کہ فرد معاشرتی ماحول سے مطابقت اختیار کرنے کے لیے معاشرتی چہرہ بنا لیتا ہے اور اندر کی شخصیت، ہوس، لالچ اور معصومیت سے کتراتا بھی ہے اور اُسے چھپاتا بھی ہے۔ نظم ''ایک لڑکا'' کے علاوہ نظم ''کالے سفید پروں والا پرندہ اور میری ایک شام'' کے مرکزی کردار ''فرقت کی ماں'' نے شوہر کی موت پر کہرام مچایا لیکن عدت کی مُدّت ختم ہوتے ہی مولوی صاحب سے رشتہ جوڑ لیا جب کہ دوسرا کردار غضنفر مریم کو جوانی میں دھوکا دینے اور حالات کی ستم ظریفی کے حوالے کرنے کے بعد کہیں اور شادی کر لیتا ہے اور اپنی لکڑی کی ٹال پر بیٹھ کر اپنی بے وفائی کے قصے مزے لے لے کر سناتا ہے یہی نہیں اُس کے اندر کا خوف اُسے بیٹی پر زیادہ پابندی لگانے پر مجبور کرتا ہے:

''اب اپنی لکڑی کی ٹال پر بیٹھا
اپنی کج رائی اور جوانی کے قصے دُہرایا کرتا ہے
ٹال سے اُٹھ کر جب گھر میں آتا ہے
بیٹی پر قدغن رکھتا ہے
نئے زمانے کی اولاد اب ویسی نہیں رہ گئی
بدکاری بڑھتی جاتی ہے
جو دن بیت گئے کتنے اچھے تھے''

(کالے سفید پروں والا پرندہ اور میری ایک شام)

یوں یہ باآسانی کہا جا سکتا ہے کہ اختر الایمان کی نظموں میں نفسیاتی عناصر موجود ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ بلال سہیل، اختر الایمان کی ابتدائی زندگی اور تخلیقی تجربات،مشمولہ: **بازیافت**، (مدیر: تحسین فراقی)،لاہور: پنجاب یونیورسٹی،شمارہ ۱۷، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۰ء،ص ۱۷۶۔۱۷۷

۲۔ عقیل احمد صدیقی، **جدید اردو نظم ـــ نظریہ اور عمل**،علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس،۱۹۹۰ء،ص ۲۷۵

۳۔ وزیر آغا، **نظم جدید کی کروٹیں**،لاہور: سنگت پبلی کیشنز،۲۰۰۷ ص ۶۹

۴۔ اختر الایمان، پیش لفظ،مشمولہ: **سروسامان**، کراچی: المسلم پبلشرز،۱۹۹۲ء،ص ۱۷

۵۔ وزیر آغا، **نظم جدید کروٹیں**،ایضاً،ص ۱۷۰

۶۔ عقیل احمد صدیقی، **جدید اردو نظم نظریہ اور عمل**،ایضاً،ص ۲۹۰

۷۔ سہیل احمد خان،اختر الایمان، باز دید،مشمولہ: **مجموعہ سہیل احمد خاں**، سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء،ص ۲۶۶

۸۔ عقیل احمد صدیقی، **جدید اردو نظم نظریہ اور عمل**، ایضاً،ص ۲۴۰

۹۔ اختر الایمان، بنت لمحات ،پیش لفظ،مشمولہ: **سروسامان**، ایضا،ص ۵

۱۰۔ محمد آصف زہری، اختر الایمان کی ایک نظم، اپاہج گاڑی کا آدمی مشمولہ: **ذہنِ جدید**،(مدیر: جمشید جہاں)نیودہلی: شمارہ ۴۵، جلد ۱۶، ستمبر تا نومبر ۲۰۰۶ء،ص ۸۶

۱۱۔ اختر الایمان،پیش لفظ بنت لمحات،مشمولہ: **سروسامان**،ایضاً

۱۲۔ عقیل احمد صدیقی، **جدید اردو نظم نظریہ و عمل**، ایضاً،ص ۲۷۹